اکبرحمیدی کاانشائی سفر

ڈاکٹر یاسمین*

Abstract:

This research paper attempts to highlight the importance of the services of Akber Hamidi as an indigenous inshaia writer and explores his role in the enhancement of the genre, Urdu Inshaia. Akbar Hamidi is a prominent/renown name in the history of Urdu Inshaia. He has proved himself a great inshaia writer through his remarkable works, such as "jazeeray ka safar", "Titli kay taaqub main", "Jhari or jugnu", "Pahaar mujhy bulata hai", and "Ishtaharon sy bhari hui deewar". He symbolizes the universe and everything found in it, in the form of islands. He sees these islands as balancing entities for the universe. According to him, Man forms positive and negative attitudes toward life by roaming through these islands. He presents extraordinary and ordinary things equally and not only through various kinds of topics, but also explores their unseen aspects/dimensions in very simple, fluent and refined manner. He has his own style in urdu inshaia. This research paper will help readers to look at life from a different dimension along with increasing their understanding of the crux of Urdu Inshaia..

اردو انشائیے کی تاریخ میں بہترین انشائیہ نگاروں میں ایک اہم نام اکبرحمیدی کا بھی ہے۔انہوں نے ’’پہلی منزل‘‘ کے عنوان سے اپنا پہلا انشائیہ۱۹۸۲ء میں لکھا جو’’اوراق‘‘ میں شائع ہوا۔بیسویں صدی کے اختتام تک اکبرحمیدی کے تین انشائی مجموعے سامنے آتے ہیں۔ پہلا مجموعہ’’جزیرے کا سفر‘‘۱۹۸۵ء میں شائع ہوا جس میں ۲۱ انشائیے ہیں۔اس کے بعد’’تتلی کے تعاقب میں‘‘۱۹۹۰ء میں،’’جھاڑی اور جگنو‘‘ ۱۹۹۵ء۔ اکیسویں صدی میں’’پہاڑ مجھے بلاتا ہے‘‘ اکبرحمیدی کے انشائیوں کا چوتھا مجموعہ ہے جو بٹر پبلیشرز سے۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔اسی

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین، قصور

طرح ''اشتہاروں سے بھری ہوئی دیوار'' ان کا پانچواں انشائی مجموعہ ہے۔

''جزیرے کا سفر'' اکبر حمیدی کے انشائیوں کا پہلا مجموعہ ہے جس میں ''جزیرے کا سفر''، ''انتظار گاہ''، ''گولڈن چانس''، ''دوراندیشی''، ''نیگیٹو یا پوزیٹو''، ''درمیانی منزل''، ''پتنگ''، ''خزاں''، ''گالی دینے والے کی حمایت میں''، ''پرانے کپڑے''، ''موسم''، ''آزادی''، ''چھوٹا آدمی''، ''ذمہ داری، جنگل''، ''میں سوچتا ہوں''، ''گھنٹہ گھر''، ''غلطی کی گنجائش''، ''چڑیا گھر''، ''کامیابی'' اور ''اترن''

اکبر حمیدی کے موضوعات اگرچہ بوقلموں اور رنگا رنگ مگر وحدت تاثر کی بناء پر ایک ہی خیال کی مختلف کڑیاں محسوس ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں انسان مختلف جزیروں کی سیر کرتا ہوا زندگی کے مثبت و منفی رویوں کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ مظاہر کائنات اور ان میں موجود دیگر اشیاء کو مختلف جزیرے قرار دیتے ہیں۔ وہ افسانوی انداز میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیزوں کو متنوع موضوعات کے ذریعے پیش کر کے ان کے نادیدہ پہلو نہایت سادہ، رواں اور شگفتہ انداز میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے تمام انشائیے فکر انگیز اور خیال افروز ہیں۔ ان کا شاعرانہ اسلوب انشائیہ میں غزل کا سا جمالیاتی حسن پیدا کرتا نظر آتا ہے۔ ان کے خیال کی ڈور ہمارے احساسات کو آسمان کی بلندیوں پر محو پرواز کر دیتی ہے۔ اس طرح قاری جوں جوں ان کا انشائیہ پڑھتا جاتا ہے وہ آسمان کی وسعتوں میں زمان و مکان کے غور و فکر میں محو ہوتا جاتا ہے۔ ڈاکٹر بشیر سیفی کا خیال ہے کہ ''ان کے تمام انشائیے ایک ہی مسلسل خیال کی مختلف کڑیاں معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے انشائیوں کی قدرِ مشترک وہ انسان ہے جو ہر انشائیہ میں کسی نہ کسی حیثیت سے موجود ہے۔ کسی انشائیہ میں یہ انسان مختلف جزیروں میں بٹا ہوا ہے اور کسی میں اس کی حیثیت اس ذرّے کی سی ہے جسے کائنات کی تسخیر کا مرحلہ درپیش ہے۔ کسی انشائیہ میں یہ انسان نیگیٹو پازیٹو کی صورت میں انسانی شخصیت کے مثبت و منفی پہلوؤں کا اشاریہ ہے اور کسی میں اس فاختہ کے روپ میں ہمارے سامنے آتا ہے جو عقاب پر جھپٹنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ کسی انشائیہ میں یہ انسان ایسا دوراندیش بن کر نمودار ہوتا ہے جو اپنی غزل مقطع سے شروع کرتا ہے اور کسی میں اس چھوٹے آدمی کا روپ دھار لیتا ہے۔ جس کے شانوں پر کھڑے ہو کر بڑا آدمی اپنی بڑائی کا اعلان کرتا ہے اور وہ یعنی چھوٹا آدمی اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود پس منظر میں رہتا ہے۔ کہیں یہ انسان اپنے باطن میں چڑیا گھر کا نمونہ پیش کرتا ہے اور کہیں گھنٹہ گھر کی صورت میں وقت کی علامت بن جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اکبر حمیدی نے مختلف موضوعات کو انسان کے بطون سے دریافت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان ہی اس کائنات کا مرکزی نقطہ ہے۔''(۱)

اس انشائی مجموعہ میں سب سے اہم اور نمائندہ انشائیہ ''جزیرے کا سفر'' ہے اس انشائیہ سے ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

''میرا خیال ہے کہ سمندروں کو داغ دار بنانے کے لیے خدا نے جزیرے تخلیق کیے

ہوں گے پھر خالق اکبر کو خیال آیا ہوگا کہ جزیرے تو ہر خوفناک چیز کا طلسم پاش پاش کر سکتے ہیں تب اس نے رات کے سمندر میں ماہ تاب کا جزیرہ تخلیق کیا ہوگا پھر تاریکی کے اس بحرِ بے کنار میں ستاروں کے چھوٹے چھوٹے جزیرے بنائے ہوں گے جو کشتیوں کی طرح سمندر کے سینے پر مصروفِ سفر ہیں تب اس مہربان خدا نے سورجوں سے برستے آگ کے سمندر میں سیاروں کے جزیرے تعمیر کیے ہوں گے پھر سیاروں کی بے روح یکسانیت کو توڑنے کے لیے سرسبز و شاداب زمینوں کے جزیرے بنائے ہوں گے......غور سے دیکھا جائے تو کائنات کے سمندر میں یہ ننھی سی دنیا ایک سرسبز و شاداب جزیرہ ہی تو ہے۔''(۲)

مذکورہ بالا اقتباس میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکبر حمیدی سمندروں کے جزیروں سے بات شروع کرتے ہیں اور سورج چاند، ستاروں اور دیگر مظاہر قدرت کے جزیروں کی جانب ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں اور ہمیں حیرت انگیز مسرت کا احساس دلاتے ہیں۔ وہ افسانوی انداز میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیزوں کو متنوع موضوعات کے ذریعے پیش کرتے ہوئے ان کے ایسے نادیدہ پہلو بیان کرتے ہیں جن پر عام طور پر ہم غور نہیں کرتے۔

ڈاکٹر وزیر آغا اس انشائی مجموعہ کا پیش لفظ لکھتے ہوئے یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''کتاب کا نام جیسا کہ آپ محسوس کریں گے دوہری معنویت کا حامل ہے یعنی ایک طرف تو یہ اس بات کا اعلامیہ ہے کہ زندگی کے مواج سمندر میں انشائیہ کی حیثیت ایک جزیرے کی سی ہے نیز یہ کہ جزیرہ ماندگی کا ایک وقفہ ہے جو آگے چلنے کے لیے ضروری ہوتا ہے...... چناں چہ اسے معمولی چیزوں کی اور مظاہر کے وہ غیر معمولی پہلو صاف نظر آتے ہیں جو برق رفتاری کے باعث اس میں نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔''(۳)

چناں چہ مذکورہ بالا بیان کے تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکبر حمیدی کے ہاں اسلوب کی تازگی اور فکر کی گہرائی ہے۔ ان کے ہاں زندگی کو عمیق نظر سے دیکھنے کا رجحان موجود ہے۔ وہ مظاہر قدرت پر غور و فکر کرتے ہیں اور اشیاء کے ظاہر و باطن کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں سادگی، شگفتگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ وہ فن کی جمالیات سے بخوبی واقف ہیں اور بقول ڈاکٹر انور سدید، اکبر حمیدی نے اُردو انشائیہ میں غزل کے جمالِ فن کو برتنے کی سعی کی ہے۔ وہ جزئیات سے حقیقت کا عمومی زاویہ ابھارتے ہیں اور یوں اپنے تجربے کی عالمگیریت پر مہر تصدیق ثبت کرتے جاتے ہیں۔ اکبر حمیدی کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ قاری کی سوچ کو بھی کروٹ دیتے ہیں اور یوں اس کے محسوسات میں تازگی کی نئی لہر دوڑا کر اسے فکری بہجت اور مسرت کی فراوانی سے سرشار کر ڈالتے ہیں۔(۴)

چناں چہ ان کے تمام انشائیے فکر انگیز اور خیال افروز ہیں۔ ''انتظار گاہ'' ان کا ایسا ہی انشائیہ ہے:

''دنیا کے سب بڑے لوگوں نے انتظار گاہ کو پہلی منزل سمجھ کر سفر کیا ہے انھوں نے اس فرصت کو طویل اور عظیم سفر کی تیاریوں میں صرف کیا ہے لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تب بھی روئے زمین پر شاید انتظار گاہ ہی ایک ایسی جگہ ہے جو ہمیں اس وقت پناہ دیتی ہے جب گھر جانا ندامت کا باعث ہوتا ہے اور منزل کی طرف سفر کرنے کے لیے گاڑی نہیں ملتی۔''(۵)

ہم دیکھتے ہیں کہ اکبر حمیدی روئے زمین کو ایک انتظار گاہ خیال کرتے ہوئے اسے ایک ایسی پناہ گاہ قرار دیتے ہیں جو اس وقت پناہ دیتی ہے جب کوئی دوسری چیز پناہ نہیں دیتی۔ اکبر حمیدی ہمارے گمان کے ایسے پہلوؤں کو آشکار کرتے ہیں جو ہماری دانست سے کوسوں دور ہیں۔ اسی طرح انکشاف ذات بھی اکبر حمیدی کے انشائیوں کی بنیادی خصوصیت ہے۔ وہ بڑی فنکارانہ مہارت سے انکشاف ذات کے ذریعے قاری کو ان کے تجربات سے لطف کشید کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ ذیل کا اقتباس ان کے ہاں انکشاف ذات کے عنصر کی دلکش عکاسی کرتا ہے:

''پتنگ میری زندگی ہے۔ میری ذات ہے۔ میں خود ہوں! پتنگ پتنگ کرتے کرتے میں خود بھی پتنگ بن چکا ہوں۔ پتنگ کے روپ میں خود زمین سے بلند ہوتا ہوں۔ میں خود اپنے ہاتھ سے ڈور کھینچتا ہوں۔ چھتوں پر لہراتا ہوں۔ آنگنوں میں اترتا ہوں۔ آسمانوں کو چومتا ہوں۔ ہواؤں میں لپٹتا ہوں۔ پتنگ کو دیکھ کر مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں خود ڈور کی رسی سے اپنے آپ کو نیچے کھڑے ہوئے دیکھ سکتا ہوں۔''(۶)

خیال کی تازگی اور اسلوب کی دلکشی ان کے ہاں دیگر انشائیہ نگاروں کی نسبت زیادہ نمایاں ہے ذیل کا اقتباس ان کے خوبصورت اور دل نشین اسلوب کی غمازی کرتا ہے:

''ہر لمحہ جو گزر جاتا ہے وقت کے جسم سے پرانے کپڑے کی طرح اتر جاتا ہے تب وقت نئے لمحے کو زیب تن کرتا ہے اور دوسرے لمحے اسے بھی اتار کر پرانے کپڑوں کے ڈھیر پر پھینک دیتا ہے۔ یہ سلسلہ کب سے جاری ہے؟...... درخت مسلسل زرد، خشک، کمزور پتوں کو پرانے کپڑوں کی طرح اتارتے چلے جاتے ہیں۔ ہوائیں ہمیشہ موسموں کا لباس پہنتی ہیں۔ پہاڑ، سمندر، دریا، زمین آسمان نئی نئی ہیئتیں پہنتے چلے جاتے ہیں اور پرانے مناظر پرانے کپڑوں کی طرح تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ ایسی ہی تبدیلیاں ہماری زندگی کے ہر میدان میں ہوتی رہتی ہیں۔''(۷)

''تتلی کے تعاقب'' میں اکبر حمیدی کے انشائیوں کا دوسرا مجموعہ ہے جس میں شامل انشائیوں کے موضوعات درج ذیل ہیں: ''رنگ دار شیشے''، ''ریشم کا ٹکڑا''، ''نئے موسموں کے پرندے''، ''لوز ٹھننگ''، ''شادی میں

شرکت‘‘،’’سفر‘‘،’’تتلی کے تعاقب میں‘‘،’’نقاد کی حمایت میں‘‘،’’موڑ‘‘،’’دیواریں‘‘،’’ہیرو‘‘،’’غالب کا طرفدار‘‘،’’کرکٹ‘‘،’’ہردلعزیز‘‘،’’پالش‘‘،’’کیل‘‘،’’باغی‘‘،’’ضمیر کی مخالفت میں‘‘،’’نظام سقہ‘‘،’’پہلی تالی‘‘،’’کھانے کی میز‘‘۔

یہ انشائی مجموعہ بھی بہت خوبصورت ہے منشاء یاد اس انشائی مجموعے کے دیباچے میں ان کے اسلوب کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ’’اکبرحمیدی لفظ آشنا ہے اور خوبصورت تخلیقی جملہ لکھنے پر قادر ہے چناں چہ اس کی نثر رواں دواں اور تکلف و تصنع سے پاک ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے انشایئے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں اور اس کے جملے قلب ونظر کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں۔کوئی سا بھی موضوع ہو اس کی نثر کہیں سپاٹ یا بے رنگ نہیں ہونے پائی۔اپنی ادبی شان برقرار رکھتی ہے۔ضرورت اور موقع کے مطابق وہ بیانیہ،علامتی اشاراتی،تمثیلی لہجہ اور اسلوب اختیار کرتے ہیں۔‘‘(۸)

اسلوب کے ساتھ ساتھ اکبرحمیدی انشائیہ کے موضوع کو بھی پوری طرح نبھاتے ہیں۔وہ ایک معمولی سے معمولی چیز کو اپنے انشائیہ کا موضوع بنا کر اس کی اہمیت بڑھا دیتے ہیں۔قاری جوں جوں انشائیہ پڑھتا ہے غور وفکر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ڈاکٹر بشیر سیفی کہتے ہیں کہ اکبرحمیدی انشایئے کی فنی اور تکنیکی ضرورتوں اور اس کے مزاج سے بخوبی آگاہ ہیں۔ایک عمدہ انشایئے کی اولین خوبی یا ضرورت اس کی عمدہ نثر ہے۔انشائیہ نگار محض کسی خیال یا بات کا سادہ زبان میں اظہار و بیان نہیں کرتا بلکہ اسے ادبی نفاست اور تخلیقی خوشبو بھی عطا کرتا ہے اور جس طرح سمندر قطروں سے مل کر بنتا ہے اسی طرح کوئی فن پارہ لفظوں اور جملوں سے وجود میں آتا ہے اس لیے بنیادی طور پر انشائیہ نگار کو شاعر اور افسانہ نگار کی طرح لفظوں کے بہترین استعمال کا طریقہ ہونا چاہیے اور انشائیہ تو ایک بھی ڈھیلے ڈھالے جملے بلکہ کسی ایک لفظ کے برمحل استعمال کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ذرا سی غفلت یا تن آسانی مخمل میں کاٹ کا پیوند ثابت ہوسکتی ہے۔(۹)

ان کا اسلوب شاعرانہ ہے۔ان کے انشائیہ ’’تتلی کے تعاقب میں‘‘ان کا انداز ملاحظہ ہو:

> ’’......تب اس نے اپنے رنگ دار ترشے ہوئے ہونٹ لرزتے ہوئے ہونٹ میرے بے آب ہونٹوں پر رکھ دیئے......پھر یوں ہوا کہ اس کے سارے رنگ اس کے ہونٹوں کے راستے میری روح میں اتر گئے۔اس کے ہونٹ کتنی ہی دیر میرے ہونٹوں سے رنگوں کی زبان میں ہم کلام رہے!میرے ہونٹوں پر جہاں اس نے اپنے ہونٹ رکھے تھے سخن کے رنگا رنگ پھول کھلنے لگے تب میرے ہونٹوں نے اس اثبات کا امرت رس چکھا۔‘‘(۱۰)

پروفیسر جمیل آذران کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اکبر حمیدی اپنے انشائیوں میں نئی چیزوں کو قبولیت عام سے سرفراز کرتا ہے اور عمومی چیزوں کو اپنے موقلم سے نئے نئے معنی پہناتا ہے۔''تتلی کے تعاقب میں''ان کا خوبصورت علامتی انشائیہ ہے جو ان کے فکری شعور کی بھرپور نمائندگی کرتا ہے۔تتلی ان کے ہاں زندگی اور مقصد کی علامت بن کر ابھری ہے۔''**(۱۱)**

ان کے ہاں انکشافی انداز بھی پایا جاتا ہے مثلاً ''گولڈن چانس'' میں وہ کہنا چاہتے ہیں کہ زندگی بار بار نہیں ملتی اور دور اندیشی سے بلند فکری پیدا ہوتی زندگی کے ناپسندیدہ اور ناخوش گوار پہلوؤں سے حسن اور خیر کا ادراک پا لینے کی سعی میں کارفرما زندگی کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا انکشاف اور اسی طرح ان کا یہ اظہار کہ وہ تتلی کو گرفت میں لینے میں کامیاب نہیں ہوئے مگر ناکام بھی تو نہیں ہوئے اور اسی کوشش کو کامیابی کی کنجی قرار دیتے ہوئے یہ کہنا کہ مسلسل آگے بڑھتے چلے جانا ہی دراصل کامیابی ہے۔

اکبر حمیدی کا انکشافی انداز اپنے اندر حیرت انگیز مسرت لیے ہوئے ہے۔ذیل کا اقتباس اس کی واضح مثال ہے:

> ''میری مراد وہ پہلی تالی ہے جس کے بعد انسان پر یہ انکشاف ہوا ہوگا کہ وہ تالی بھی بجا سکتا ہے تب اس نے بار بار تالی بجائی ہوگی اور اپنے ہاتھوں کی اس عظیم الشان قوت کا کرشمہ دیکھا ہوگا۔تالی کی دلکش آواز میں اس نے کئی گہرے جذباتی اور تیز تیز خوشی سے معمور سانس لیے ہوں گے اور اس کے ساتھی اس بالکل نئی اور انوکھی آواز پر ڈور ڈور کر اس کے گرد جمع ہو گئے ہوں گے۔وہ بار بار تالی بجا کر انہیں حیرت انگیز مسرت سے دوچار کر رہا ہوگا تب جہاں جہاں تالی کی آواز گئی ہوگی لوگ آ آ کر اس حیرت میں شامل ہوتے رہے ہوں گے۔انہیں موسم بہار کا پہلا پھول اور صبح کا پہلا ستارہ بھی پہلی تالی ہی لگتا ہے۔''**(۱۲)**

اکبر حمیدی کے ہاں محاورات اور ضرب الامثال کے بے ساختہ استعمال کے ساتھ ساتھ سادہ، رواں اور شگفتہ نثر ان کے اسلوب کو چار چاند لگا دیتی ہے۔وہ جمالیاتی حسن آفرینی اور رعنائی خیال سے اپنے اسلوب میں دلکشی پیدا کرتے ہیں۔ان کا پیرائیہ اظہار نہایت دل کش ہے۔

''جھاڑیاں اور جگنو''ان کے انشائیوں کا تیسرا مجموعہ ہے جس میں شامل انشائیوں کے عنوانات حسب ذیل ہیں:''نئی پرانی گاڑیاں''،''اونچی ناک اور قومی ترقی''،''سپنوں کا شہر''،''میک اپ''،''پیچھے رہا ہوا آدمی''،''جامن کا پیڑ''،''روشنی کا غبارہ''،''بگڑا ہوا بچہ''،''مٹی کا سورج''،''اکھاڑے''،''باورچی خانہ''،''ترجیح''،''کافرستم''ریلوے پھاٹک''سیر ہی سہی''،''جھاڑیاں اور جگنو''،''ٹھینگا باجے''،''اتفاق سے''،''چہرہ بہ چہرہ''،''آرام طلبی''،''کھانے کی میز''،''نظام سقہ''،''کیل''۔

''جھاڑیاں اور جگنو'' اپنے شاعرانہ اسلوب، برمحل الفاظ کے انتخاب اور جملوں کے موزوں استعمال کے حوالے سے ایک بہت خوبصورت انشائی مجموعہ ہے۔ اس انشائی مجموعے میں بھی ان کے طرز بیان میں سادگی، روانی اور شگفتگی نظر آتی ہے اور وہ مظاہر فطرت کی بھرپور عکاسی سے کائنات میں حیرت انگیز اور خیال افروز حقیقتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہاں ان کا انشائی رویہ اور بھی زیادہ ترقی یافتہ نظر آتا ہے۔ ذیل کا اقتباس اس امر کی گواہی دیتا ہے:

> ''خواہشیں امیدوں کو جنم دیتی ہیں اور امیدیں وہ جگنو ہیں جو ہمارے دلوں کو روشن کرتے ہیں۔ یہ جگنو مر جائیں تو دل بے نور ہو جاتے ہیں...... یہ جگنو جگمگاتے رہیں تو ہماری جھاڑیاں روشن رہتی ہیں اور ہم اپنے اپنے بستروں میں بیٹھے جگنوؤں کی شادیاں دیکھتے ہیں۔'' (۱۳)

اکبر حمیدی نفرت، مایوسی اور دہشت گردی کی تاریکیوں کو انسان دوستی حکمت، دانش اور لطف و محبت سے منور کرنا چاہتے ہیں۔ ''ریلوے پھاٹک'' ان کا علامتی انشائیہ ہے۔ ریلوے پھاٹک کو دو تہذیبوں کی علامت ظاہر کیا گیا ہے۔ گاؤں کی تہذیب اور شہر کی صنعتی اور مشینی زندگی کا تمدن اکبر حمیدی کو بہت متاثر کرتا ہے۔ ''اکھاڑہ'' برتری کے احساس کی علامت ہے جس میں اکبر حمیدی اپنے مشاہدے اور ذاتی تجربات کی روشنی میں معنویت کے رنگ بھرتے، انسانی نفسیات کے کئی گوشوں کو بے نقاب کرتے ہوئے انسان کی بے حسی کو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے انشائیہ ''اکھاڑہ'' سے ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

> ''مجھے یقین ہے جلد ہی راکھ کے عظیم ڈھیر پر جس کی تہوں میں کروڑوں راج دلاروں اور چاند چہروں کی جلی بھنی لاشیں دفن ہوں وکٹری سٹینڈ سجایا جائے گا...... جیتنے والی ٹیم کے کھلاڑیوں کے سینے میڈلوں سے سجائے جائیں گے۔ ان کا قومی پرچم لہرایا جائے گا۔ قومی ترانہ بجے گا !!...... اکھاڑے کے ذرے ذرے پر ان کے احساس برتری کی تاریخ رقم ہوگی۔ کروڑوں انسانوں کے خون کی سرخی کے ساتھ۔'' (۱۴)

منشا یاد کا خیال ہے کہ اکبر حمیدی کے انشائیے ان کی اپنی زندگی کے تجربات کی سرگزشت معلوم ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

> ''اکبر حمیدی کے انشائیے دراصل اس کی اپنی باتیں ہیں جو اس پر گزریں، اس نے سنیں، سہیں، سوچیں یا اسے سوجھیں۔ یہ اس کی اپنی باتیں ہیں مگر ایسی کہ پڑھنے والوں کو بھی اپنی لگیں۔ میٹھی، رسیلی باتیں، بات سے بات نکلتی ہے مگر نکلتی ہی نہیں جاتی ہے۔ مضمون نگاری کے برعکس جس میں ہر پہلو اور مخفی گوشے کو کھنگالا اور اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ کسی لطیف نکتے کی دریافت کے ساتھ ہی اپنا چھوٹا سا تخلیقی دائرہ مکمل کر لیتی

ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔''(۱۵)

''پہاڑ مجھے بلاتا ہے'' اکبر حمیدی کے انشائیوں کا چوتھا مجموعہ ہے جو بٹر پبلیشرز سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔اس میں اٹھارہ انشائیے ہیں ''خالی گیراج''،''ہمایوں کا ایک دن''،''شوق فضول''،''دہشت گرد''،''پہاڑ مجھے بلاتا ہے''،''نام بدنام''،''ٹیلی فون کال''،''گوجرانوالہ''،''آگ''،''مچھلیوں بھرے تالاب''،''کامیابی کی دیوی''،''یہ تو ندیں''،''مہمان خصوصی''،''ایک فلسفی کی مخالفت میں''،''اپنی دنیا''،''وال کلاک کے پیچھے''،''میں کہاں ہوں''اور''زیرو پوائنٹ''اس مجموعے کے انشائیے ہیں۔

یہاں بھی ہمیں اکبر حمیدی کے موضوعات میں تنوع نظر آتا ہے۔''خالی گیراج''،''پہاڑ مجھے بلاتا ہے''،''ٹیلی فون کال''اور''زیرو پوائنٹ''اس انشائی مجموعہ کے نمائندہ انشائیے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کسی بھی موضوع کو اپنے لیے شجرممنوعہ نہیں سمجھتے۔وہ جس طرف نگاہ ڈوراتے ہیں اشیاء اور مظاہر ان کے لیے نئے مفاہیم کے دریچے کھول دیتے ہیں۔اسی طرح وہ انشائیہ کے لیے کسی بھی اسلوب کے قائل ہیں۔اس حوالے سے وہ خود بیان کرتے ہیں:

> ''میرے نزدیک کوئی بھی موضوع اور کوئی بھی اسلوب انشائیے کے لیے شجرممنوعہ نہیں بشرطیکہ وہ معنی آفرینی سے عاری نہ ہو اور اس میں معنی کے نئے نئے ابعاد دکھائی دیتے چلے جائیں۔محض طنزیہ یا مزاحیہ مضمون ہو کر نہ رہ جائے۔''(۱۶)

''پہاڑ مجھے بلاتا ہے''ان کے اسلوب اور فکر کا بہترین نمائندہ ہے۔وہ فنکارانہ نکتہ آفرینی کے ساتھ نئے نئے مفاہیم کی پیش کش سے قارئین کے شعور کو جلا بخشتے جاتے ہیں۔پہاڑ ان کے ہاں بلندی، کامیابی، حوصلے اور امید کی علامت بن کر ابھرتا ہے اور ایک منفرد انداز میں انسانی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔اسی طرح''ٹیلی فون کال''کا موضوع سیاست ہے اور اس میں مکالمہ کا انداز اپنایا گیا ہے۔ان کا انشائیہ''خالی گیراج''مصنف کے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں معاشرتی مسائل پر مبنی ہے جس میں انسانی مزاج کی متنوع رویے اور حیرت انگیز پہلو دکھائے گئے ہیں۔مصنف اپنے گھر میں گیراج بنواتے ہیں مگر گاڑی خریدنا بھول جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ گیراج دوسروں کے کام آتا ہے لیکن اس میں بھی کچھ ناگوار واقعات کا تجربہ انشائیہ نگار کی فکر کو مہمیز لگاتا ہے اور انہیں اپنی زندگی بھی ایک خالی گیراج کے مانند لگتی ہے جس کی عکاسی وہ ایک انشائیے کی صورت میں کرتے ہیں۔

ان کے انشائیہ''خالی گیراج''سے ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

> ''اتفاق سے اب میں ملازمت سے ریٹائر زندگی بسر کرتا ہوں سو ہمسایوں کی ذہانت اور ذکاوت ملاحظہ ہو کہ اب وہ مجھے بھی ایک خالی گیراج سمجھتے ہیں چناں چہ جونہی کالج کھلتے ہیں کوئی صاحب یا صاحبہ تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں حمیدی صاحب ہمارا بچہ یا بچی ایف ایس سی کے فائنل ایئر میں ہے اگر آپ شام کو تھوڑا سا وقت اسے

عنایت فرمائیں تو یہ ایک بڑی نیکی ہوگی۔‘‘(۱۷)

درج بالا اقتباس میں اکبر حمیدی نے نہایت شگفتہ انداز میں اپنی زندگی کو خالی گیراج اور ہمسایوں کی استفادہ کرنے کی خاصیت کو ان کی ذہانت اور ذکاوت سے تعبیر کر کے ہمارے لیے نہایت لطیف انداز میں بعد از ریٹائرمنٹ، ریٹائر زندگی کا ایک ایسا پہلو اجاگر کیا ہے جسے پڑھ کر ہم حیرت انگیز مسرت سے دوچار ہوتے ہیں۔’’وال کلاک کے پیچھے‘‘ بھی ان کا فکر انگیز انشائیہ ہے۔جس میں معمولی اشیاء کے غیر معمولی پہلو اور بدصورت اشیاء سے خوبصورتی کے پہلو اجاگر کرنا اکبر حمیدی کی انفرادیت ہے۔اسی طرح ’’گوجرانوالہ‘‘ ان کے بچپن اور لڑکپن کی حسین یادوں کا بیان ہے جس میں واحد متکلم کا صیغہ بطور خاص انکشاف ذات کی عکاسی کرتا ہے۔اس انکشاف ذات کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے:

> ’’چوالیس سال ایک عمر ہے جو میں نے گوجرانوالہ میں گزاری ہے اور وہاں کی ادبی دنیا میں ایک ہنگامہ بن کر گزاری۔گوجرانوالہ کا ایک ایک بازار، ایک ایک گلی، ایک ایک چوک، دکانیں، کالج، سینما گھر، سڑکیں، مکان اور وہاں کی رونقیں سب ابھی تک میرے بطون میں موجود ہیں۔‘‘(۱۸)

اکبر حمیدی گوجرانوالہ کے اپنے چالیس سالہ قیام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس اقتباس میں انکشاف ذات سے کام لیتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ ان چالیس سالوں میں ایک ہنگامہ خیز زندگی گزارتے رہے۔گوجرانوالہ کا ہر بازار، گلی کوچہ، دکان، کال و سینما گھر یہاں تک اور وہاں کی رونقیں ابھی تک ان کے باطن میں موجود ہیں۔

’’اشتہاروں سے بھری ہوئی دیوار‘‘ ان کا پانچواں انشائی مجموعہ ہے۔جس میں ۲۱ انشائیے ہیں۔ان انشائیوں کے موضوعات حسب ذیل ہیں: ’’رشتے ناطے‘‘، ’’دنیا ایک کہانی ہے‘‘، ’’خوشیوں کی تلاش‘‘، ’’یہ الماریاں‘‘، ’’دوستی کی مخالفت میں‘‘، ’’جب بجلی بند ہو جائے‘‘، ’’جادونگری‘‘، ’’کبھی ہم لاابالی تھے‘‘، ’’ہوائی سڑکیں‘‘، ’’کورا کاغذ‘‘، ’’خوابوں کے بے نشان جزیرے‘‘، ’’ایک ذرا صبر‘‘، ’’پیوندلگی زندگی‘‘، ’’سامنے کی باتیں‘‘، ’’قید خانہ کسی کو عزیز نہیں‘‘، ’’پھولوں سے گھر کانٹا‘‘، ’’مسافر نواز بہتیرے‘‘، ’’اندر کا آدمی‘‘، ’’کھڑکیاں اور دروازے‘‘، ’’اشتہاروں سے بھری دیوار‘‘، ’’غلطی ہائے مضامین‘‘۔

اس انشائی مجموعے کے نمائندہ انشائیوں میں ’’رشتے ناطے‘‘، ’’دنیا ایک کہانی‘‘، ’’یہ الماریاں‘‘، ’’اندر کا آدمی‘‘، ’’کھڑکیاں اور دروازے‘‘ اور اشتہاروں بھری دیوار‘‘ شامل ہیں۔

’’اشتہاروں سے بھری دیوار‘‘ بھی ان کے اسلوب وفکر کا بہترین عکاس انشائیہ ہے۔جس میں ان کے مشاہدہ اور علم کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔یہ بلاشبہ ایک عمدہ انشائیہ ہے کیوں کہ جتنی وسعت انشائیہ نگار کا مشاہدہ اور علم میں وسعت ہوتی ہے اتنی ہی اعلیٰ اور عمدہ تخلیق سامنے آتی ہے لیکن یہ بات بھی اہم ہے کہ اسلوب کے ساتھ ساتھ انشائیہ میں تازہ کاری، شگفتگی، سلاست، روانی، اور دیگر خصوصیات کی شمولیت سے ایک لطیف اور پرتاثیر انشائیہ جنم لیتا

ہے۔اکبرحمیدی کے ہاں خالص انشائیہ نگار کی ایک تیسری آنکھ بھی ہے جس سے وہ اشیاء اور مظاہر کے باطن میں چھپے اسرار کا سراغ پاتے ہیں۔وہ ایک انشائیہ نگار کی طرح زندگی کا کھلی آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ان کے لیے زندگی اور کائنات میں کوئی چیز اور موضوع غیر دلچسپ نہیں ہے۔وہ دیواروں پر لگے ہوئے ڈاکٹروں،حکیموں،نجومیوں اور سیاسی لیڈروں کے اشتہارات دیکھتے ہیں اوران کا ذکر کرتے ہوئے بڑی خوبصورتی سے ہمیں فطرت اور کائنات کے مزاج اور رنگوں سے عیاں اشتہارات کی جانب بھی متوجہ کرتے ہیں۔

انشائیہ ''اشتہاروں سے بھری دیوار'' قارئین کے فکر و خیال کو مہمیز لگاتا ہے اور ہمیں سوچنے پر مجبور کردیتا ہے۔اکبرحمیدی کے انشائیوں میں ایک اور خاصیت ہے جوان کو ایک اہم انشائیہ نگار ثابت کرتی ہے اور وہ ہے دلچسپی کا عنصر جو شروع سے آخر تک قاری کو اپنی گرفت میں لیے رکھتا ہے۔اسی طرح ان کے ہاں رشتوں ناطوں سے متعلق سوالوں کی بھرمار ہے جو دلچسپی کے عنصر کو خوش اسلوبی سے عیاں کرتے ہیں۔

انشائیہ کی تخلیق طنز و مزاح سے بھی مزین ہوتی ہے لیکن اس میں طنز کی نشتریت اور مازاح کی زیادتی نہیں ہوتی۔اکبرحمیدی مزاح کی چاشنی کو انشائیہ کی شیرینی کا سامان تو بناتے ہیں لیکن ایک توازن کہ ساتھ کہیں کہیں انھوں نے مزاح سے بھی انشائیہ کے حسن کا دوبالا کیا ہے۔ذیل کا اقتباس اس مزاح کی چاشنی کا خوبصورت اظہار ہے:

> ''ایک دفعہ ویگنوں کے اڈے سے گزرتے ہوئے بہت سے کنڈکٹر جمع ہو گئے اور پھر ان میں سے ایک نے جو ذرا زیادہ صحت مند تھا مجھے دھکیل کر اپنی ویگن میں ڈال دیا اور ڈرائیور فوراً ہی بس کو لے اڑا۔کوئی چار کلومیٹر پر جا کر جب میں نے کنڈکٹر کے کرایہ طلب کرنے پر بتایا کہ مجھے تو کہیں نہیں جانا تھا...... آپ لوگوں نے زبردستی مجھے ویگن میں ڈال لیا۔تب اس نے جس طرح دھکیل کر مجھے ویگن میں ڈالا تھا اسی طرح کھینچ کر ویگن سے باہر کر دیا۔''**(۱۹)**

انشائیہ خیال کی صنف ہے اس کا ہر پیرا گہری معنویت رکھتا ہے۔اس میں سیاسی،سماجی معاشی اور دیگر موضوعات کو اپنا کر کہیں فکر انگیز بات کی جاتی ہے تو کہیں زندگی کے تلخ حقائق کو ہلکے پھلکے انداز میں بے نقاب کیا جاتا ہے۔انشائیہ نگار اپنی فکر،مشاہدے،ذاتی تجربے،علم اور منفرد اسلوب سے قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور قاری کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔اکبرحمیدی بھی تلخ سے تلخ بات انتہائی شیریں انداز میں کرتے ہیں۔ذیل کا اقتباس اس امر کی صراحت پیش کرتا ہے:

> ''بادشاہ تو پھر بادشاہ ہوتے ہیں میں ان پاگلوں کی بات کر رہا ہوں جو جمہوریت کے نام پر بادشاہت کرتے ہیں۔میرا خیال ہے کہ اس دنیا کے پاگل خانے میں صرف عام آدمی یا تخلیق کار ہی نارمل ذہن کے لوگ ہیں اور دنیا کا توازن انھی لوگوں کے باعث قائم ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اس دنیا کے بڑے پاگل خانے میں اپنا ذہنی توازن

قائم رکھے ہوئے ہیں۔''(۲۰)

اِن اقتباسات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اکبر حمیدی انشائیہ کے صحیح مزاج اور اصل روح کے ساتھ اکیسویں صدی میں بھی اپنے اسلوب کی انفرادیت سے اُردو انشائیہ کے نئے باب رقم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ انشائیہ میں امتزاجی اسلوب کی مدد سے فکر و خیال کے نئے دریچے کھولتے جاتے ہیں اور قاری کو حیرت انگیز مسرت سے سرشار کرتے۔

ہم اس بحث کو ڈاکٹر سلیم آغا کے اس بیان پر سمیٹتے ہیں کہ اکبر حمیدی نے انشائیے قلم بند کرتے ہوئے ایک ماہر جوہری والی تکنیک اپنائی ہے اور موضوع کے کھرے کھوٹے کو اس طور الگ الگ دکھایا ہے کہ کہیں بھی لخت لخت ہونے کا احساس نہیں ہوتا بلکہ سکے کے دونوں رخوں کی طرح قاری کے سامنے آجاتے ہیں اور اشیاء کیفیات اور خیالات کی تہوں میں نہ صرف بہتر طور پر جھانک سکتا ہے بلکہ اس کے متخیلہ کو بھی مہمیز لگتی ہے اور وجود فکر کرنے پر مائل ہوتا نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ یوسف جمال انصاری (مضمون)، مشمولہ نقوش (ماہنامہ)، لاہور، آپ بیتی نمبر، جون، ۱۹۶۴، ص ۱۷

۲۔ لطیف ساحل، ''اُردو انشائیہ کے ابتدائی نقوش''، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۰

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''انشائیہ اُردو ادب میں''، مکتبہ فکر و خیال، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۸۹

۴۔ علی محمد خان، ڈاکٹر (مرتب)، ''مضامین حسن نظامی''، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۴۳

۵۔ ایضاً، ص ۱۲۵

۶۔ ایضاً، ص ۸۰، ۷۹

۷۔ رشید احمد صدیقی، ''طنزیات و مضحکات''، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۱۸۸

۸۔ محمد علی (دیباچہ)، ''سیپارہ دل''، از خواجہ حسن نظامی، کتاب گھر، نئی دہلی، ۱۹۶۴، ص ۱۹

۹۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، ''اُردو میں انشائیہ نگاری''، نذیر سنز پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۱۸۹، ۱۸۸

۱۰۔ علی محمد خاں، ڈاکٹر (مرتب)، مضامین فرحت'' از فرحت اللہ بیگ، مکتبہ کلیاں، لکھنو، ۱۹۸۴ء، ص ۱۹۹

۱۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''خیال پارے''، اکادمی پنجاب، طبع اول، لاہور، ص ۲۰

۱۲۔ علی محمد خاں، ڈاکٹر (مرتب)، ''مضامین فرحت''، ص ۲۰۷

۱۳۔ آدم شیخ، ڈاکٹر، ''انشائیہ''، رحیمی پرنٹنگ پریس، بمبئی، ۱۹۶۵ء، ص ۶۹

۱۴۔ فرحت اللہ بیگ، مرزا، ''مضامین فرحت''، مکتبہ کلیاں، لکھنؤ، ۱۹۸۴ء، ص ۷۶

۱۵۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''خیال پارے''، ص ۲۰

۱۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''مولانا صلاح الدین احمد ایک مطالعہ''، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۲۵۳
۱۷۔ عابد علی عابد، ''اسلوب''، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۶۳،۷۱
۱۸۔ احمر لاری، پروفیسر (پیش لفظ)، ''اسلوب اور اسلوبیات'' از طارق سعید، نگارشات، لاہور، طبع اول، ۱۹۹۸ء، ۱۴
۱۹۔ آزاد، محمد حسین، ''تذکرہ''، (مرتب) فضل الدین، مکتبہ احباب انارکلی، لاہور، س-ن، ص ۵۷
۲۰۔ عبدالودود، ڈاکٹر، ''اُردو نثر میں ادب لطیف''، نسیم بک ڈپو، لکھنو، فروری ۱۹۸۰ء، طبع دوم، ص ۱۵۹